

فی الحقیقت معلوم محض ہیں۔ ان کی بدمستی و غفلت کا عذر خواہ وہی ہے، جس کے پر تو وجود سے یہ تمام معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں۔

اس کائنات کی مخلوقات سے بدمستی اور از خود رفتگی میں جو کچھ سرزد ہو رہا ہے، اس کا الزام ان پر عائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تو صرف اعتباری وجود رکھتی ہیں۔ ان کے اندر جان اور حرکت تو اس حقیقی وجود کی وجہ سے ہے، جس کے جلووں کی فراوانی زمین و آسمان پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی وجود ایسا نہیں، جو اس جلوہ افروزی سے مست و سرشار نہ ہو۔  
گو یا ذمہ داری اسی حقیقی وجود کی ہے، ان ذرات یا ممکناتِ عالم کی کیا ذمہ داری ہو سکتی ہے، جو صرف اس وجود کے پر تو کی بدولت زندہ ہیں:  
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے  
پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

۵۔ شرح: شعر سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ عاشق یعنی مرزا غالب محبوب سے خفا ہو گئے ہیں۔ محبوب انھیں منارہا ہے۔ باتوں باتوں میں اس نے کہہ دیا: ”بھئی! تو تو ہمیں اپنی زندگی قرار دیتا تھا، یعنی یہ کہتا تھا کہ میرے جینے کا مدار تو ہے۔“ یہ خفگی کے عالم میں فرماتے ہیں کہ ایسی بات منہ سے نہ نکالیے، میرا دل ان دلوں زندگی سے بیزار ہے۔ یعنی جب حقیقی چیز سے بیزار ہیں تو اس سے بیزار کیوں نہ ہوں گے، جسے مجازاً زندگی کہتے تھے۔  
عشق و محبت میں اس قسم کے معاملات بھی پیش آتے رہتے ہیں اور عین ممکن الوقوع ہیں، لیکن مرزا غالب کے سوا کون ہے جس نے انھیں ایسے دلکش انداز میں باندھا ہو؟

۶۔ شرح: میں نے پتا لکھنے کے مقام پر آنکھ کی تصویر کھینچ دی ہے تاکہ اے محبوب! تجھ پر واضح ہو جائے کہ میری حسرت دیدار کا کیا عالم ہے